فلسطین کی ممتاز شاعرہ

فدوی طوقان

از۔ حقانی القاسمی، نئی دہلی

چوتھی اور آخری قسط

(۵)

کسی بھی شاعر کی آواز اس کے اشکال اور ابعاد سے پہچانی جاتی ہے جب وہ اپنے قوم کے اجتماعی وجدان کی وضاحت یا تعبیر کرتا ہے۔ انفرادی شخصی حالت سے مجموعی انسانی حالات کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ فدوی طوقان ایسی ہی شاعرہ ہیں جنہوں نے قومی احساسات کی ترجمانی کی، اور جدید شعری تحریک میں نہ صرف حصہ لیا بلکہ اس کے اصول اور فنی ستون وضع کئے۔

جون (۱۹۶۷ء) کی شکست سے قبل فدوی کی شاعری زیادہ تر ذاتی جذبات اور احساسات کے ارد گرد گھومتی تھی مگر جون کی شکست نے انہیں اپنی ذات کے حدود اور اپنے محدود افق سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا اور عربوں کی مجموعی زندگی

میں داخل کر دیا۔ جو استعماری اور استحصالی طاقتوں کی دہشت گردی اور تشدد سے جل رہی تھی۔ اب فدوی اپنے وجود کا پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ اور دفاع کرنے لگیں۔ یہیں سے شاعرہ کی زندگی میں ایک نئے روشن نقطے کا آغاز ہوا اور وہ صہیونی تسلط کے خلاف جانباز فدائیین کے ساتھ اپنے سلگتے اشعار کے ذریعے محمود درویش، توفیق زیاد، اور سمیح القاسم کی عملی تحریک میں شامل ہو گئیں جن کی شاعری یہودیوں کے لئے محمود اور مزاحمت کا عنوان اور انسانی بغاوت کا اظہار تھی۔

" ایک پناہ گزین عورت اپنے کمزور اور لرزتے ہوئے سینے پر چوزے کی مانند ایک بچے کو کھلا رہی ہے، اس کا ایک ہاتھ بچے کے سر پہ ہے اور دوسرے ہاتھ سے اسے سینے سے چمٹائے ہوئے ہے۔ پھر اسے اپنے سینے پر لٹا لیتی ہے۔ اور اس طرح سے بھینچتی ہے۔ شاید وہ اپنی محبت کی تپش سے اس بچے کو ٹھٹھرتی ہوئی رات سے بچانا چاہتی ہے۔ بچہ اپنی ماں کی دھڑکن اور سانسوں کی خوشبو محسوس کرتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو ماں کی گردن میں ڈال کر چمٹ جاتا ہے۔ اور پھر وہ "ماں" کہہ کر پکارتا ہے۔ بچے کے ہاتھ ماں کی گردن اور سینے پہ آہستہ آہستہ حرکت کرنے لگتے ہیں۔ اور وہ اپنے بچے کی خوشبو کو جو اس کے لئے ایک گم شدہ جنت کی مانند ہے، محسوس کرتی ہے اور تڑپ کر اس پر بوسوں کی بوچھار کرنے لگتی ہے۔"

فدوی طوقان کو اپنے جداگانہ قومی اور وطنی تشخص کا احساس ہے جو قیام اسرائیل کے بعد انہیں اور پریشان کرتا رہتا ہے نظم " اردنیہ فلسطینیہ فی انکلترا" اسی احساس کی ترجمان ہے جس کے چند شعر یوں ہیں؛

س: طقس کئیب ۔ وسماؤها ابدا جنابیه

من این؟ اسبانیه؟ ۔: کلا

انا من الاردن ۔: عفوا من الاردن؟ لا افهم

۔: انا من ربابی القدس ⁂ وطن السنی والشمس

۔: یا، یا، عرفت، اذن یهودیه ⁂ یا طعنة اهوت علی کبدی

صماء وحشیه:

"کیا سوگوار موسم ہے یہاں! آسمان ہمہ وقت ایک دھند میں لپٹا ہوا ہے تم کہاں کی رہنے والی ہو؟۔ اسپین کی؟ نہیں۔ میں اردن کی ہوں، معاف کرنا میں سمجھ نہیں پائی، میرا وطن قدس کی ہنستی پہاڑیاں ہیں؛ میرا وطن سراسر روشنی اور دھوپ ہے۔ اچھا، اچھا، اب میں سمجھی۔ تم یہودیہ ہو!" آہ! وہ گھاؤ جو میرے جگر تک چلا گیا، بھیانک، وحشیانہ"۔

انہیں احساسات کا ترجمان فدوی کا ایک مشہور قصیدہ "بنوة العرافة" بھی ہے جو فنی، فکری اور جذباتی اعتبار سے بہت پختہ ہے اس میں المیہ فلسطین اور فلسطینوں کی در بدری کی کیفیت کو بیان کیا ہے اور انہیں یونانی اسطورہ سسی فس (sisyphus) کی طرح قرار دیا ہے جو اپنی زندگی کے بوجھ کو اپنی پیٹھ پر لادے زندگی کے پہاڑ کو عبور کرتا ہے اور اپنی زندگی کی لایعنیت سے مقابلہ کرتا ہے اور جہد للبقاء کے جذبے سے سرشار ہو کر موت کو شکست دینے کی کوشش کرتا ہے یہ قصیدہ اردنی فوج اور تنظیم آزادی فلسطین کے فوجوں کے درمیان ۱۹۷۰ء کی غضبناک لڑائی سے براہ راست متأثر ہو کر لکھا گیا ہے جس کی اختتامی سطروں میں یہ بیان ہے کہ پیش گوئی کرنے والے نے کہا ہے کہ وہ تعویذ شر جو ۱۹۴۸ء میں باندھا گیا ہے اسے مستقبل قریب میں ایک شہسوار آئے گا اور مار بھگائے گا۔ جب عورت نے "غیب داں" سے دریافت کیا کہ وہ کب آئے گا اور وہ کون ہوگا؟ تو غیب داں نے جواب دیا:

حین یعتصر الرفض مصرقۃ و جلجلۃ

لاغلفۃ اشلاء ھذی الارض من جسمہا بقسوۃ

« جب مسلسل انکار ہماری سرزمین کو کھوکھلا کردے گا اسے راکھ کا ڈھیر بنا دے گا تو اس سرزمین کی بڑی بڑی کھائیاں اسے اس طرح کی تکلیف کا احساس دلائیں گی جو جسم کے گوشت والے حصوں سے گوشت کے ٹکڑوں کے نکالنے کے بعد ہوتی ہے۔»

اس وقت غیب داں نے عورت کو اس خطرے سے بھی آگاہ کیا کہ اس شہسوار فوجی کی زندگی کو اپنے ہی بھائیوں سے خطرہ ہوگا۔ یہ واضح اشارہ ہے فلسطینی مزاحمتی تحریک کے خلاف عرب بادشاہوں کی مخالفت کا؛ کہتی ہے:

لکنما الریاح فی ھبوبہا ٭ تقول حاذری الموت السبعۃ

(جب ہوا کا رخ بار بار یہ خوف دلائے گا کہ اپنے ان ساتوں بھائیوں سے ہوشیار رہو)

تب وہ عورت فوجی کو دیکھنے کی شدید خواہش محسوس کرتی ہے۔ اس میں امیج کے ذریعہ زرخیزی اسطورہ کے استعمال سے قوم کی نشأۃ ثانیہ پر اعتقاد کا اظہار کیا گیا ہے۔ فدوی اس خیال کو ذیل میں یوں پیش کرتی ہیں۔

وقفت عند الشرفۃ المغلقۃ ٭ احلم بالتکوین

انتظر الآتی

استنبض البذرۃ اللہ فیہ

یخفق رحم الارض»

« میں اپنی ٹوٹی ہوئی کھڑکی کے پاس کھڑی ہوئی خیالات میں گم تھی بنا یہ

میں کسی کا انتظار کر رہی تھی اور زمین میں دفن شدہ دانوں کی آواز جو مجھے قبل از وقت سنائی دے رہی تھی سن رہی تھی، یہ دانے زمین کے پیٹ کو چیر کر نکلتے ہیں اور گیہوں کی بالیاں زمین کی ساری غذا کو چوس کر نکلتی ہیں۔"

یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوتی ہے اور شہ سوار پہونچ جاتا ہے جس کو وہ عورت خوش آمدید کہتی ہے مگر اس بہادر فوجی کو اس حقیقت کا احساس ہے کہ اس کی پشت غیر محفوظ ہے اور وہ اپنی زندگی کو خطرے میں سمجھتا ہے، اس لئے خود کو محفوظ رکھنے کے لئے اپنے محبوب کو پیچھے سوار کر لیتا ہے اس طرح اس کی پشت محفوظ رہ سکتی ہے، ان کے تمام بھائی پوری طاقت سمیت اس پر دوڑ پڑتے ہیں اور خنجر گھونپتے ہیں۔ اس بہادر کی موت کی صحیح اور بہترا امیج (Image) ان سطروں میں واضح ہوتی ہے :

" قابیل الاحمر منتصب فی کل مکان ؛ قابیل یدق علی الابواب
علی الشرفات ؛ علی الجدران
یتسلق، یقفز، یزحف ثعبانا مبینا ذو نفح ؛ بالف لسان
قابیل یحرق یحرید فی الساحات ؛ قابیل الله مجنون یحرق روما "

" ذلیل قابیل اسے چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے، اس کے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہے، کھڑکی کے ذریعے اندر کود جاتا ہے، اس سانپ کی طرح جب سیدھا راستہ نہیں پاتا تو چھوٹے سوراخوں کے ذریعے اندر گھس جاتا ہے اور اپنی ہزاروں زبانوں سے پھنکارتا ہے۔ چاروں طرف فساد برپا کر دیتا ہے۔ اور یہ قابیل پاگل خدا ہے جو روم کو جلا ڈالتا ہے۔"

قصیدے کا اختتام اس پیشین گوئی کے ساتھ ہوتا ہے :

ولم تزل عرافة الرياح ÷ تطرق بابی الحزين كلما تنفس الصباح

تقول لی! ــــــــ ÷ حين تتم دورة الفصول

ترجعه مواسم الامطار ÷ يطلعه آذار ــــــــ

قرمزيات الزهر والنوار۔

" ہواؤں کا رخ جاننے والی ہر صبح میرے غمگین دروازے کو دستک دے کر مجھ سے کہتی ہے: "جب زمانہ اپنی گردش پوری کرلے گا تو موسم بارش اسے دوبارہ واپس لائے گی اور جب مارچ کا مہینہ آئے گا تو یہ پھول اور کلیاں دوبارہ کھلیں گے۔

محولہ بالا قصیدے کے اشارات ذہن پر زور ڈالے بغیر آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں، معاصر شاعروں کی طرح فدوی نے نا مانوس رموز و کنایات کے استعمال سے گریز کیا ہے کیونکہ یہ عوامی شعر کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس میں مستعمل رموز و اشارات آسانی سے اس طور پر سمجھ میں آتے ہیں کہ "الفارس" سے مراد مخلص مسیح وطن ہے "الریاح" وہ مجہول طلسم ہے جو روشنی کی لکیر کو ضیا بخشتا ہے تاکہ تاریکی کا خاتمہ ہو اور نئے مستقبل کی بشارت دیتا ہے۔ "البیت" وہ فلسطین ہے جس پر ۱۹۴۸ء کے بعد یہودیوں کا قبضہ و تسلط ہے۔ "ایلول" تباہی کی علامت ہے۔ "قابیل" سے مراد برادرانہ منافقت و خیانت ہے۔ یہ قصیدہ ان استعماری طاقتوں کے خلاف داخلی جوش و احساسات اور ولولے کا مظہر ہے جنہوں نے ایک قوم پر جلاوطنی الناکی اور دربدری کی زندگی مسلط کردی ہے۔

فدوی طوقان دو شکستوں کی پروردہ ہیں۔ لیکن دونوں کے اثرات کے درمیان بہت فرق ہے۔ ۱۹۴۸ء کی پسپائی نے ان کے رنج والم میں ایک ایسی کیفیت

پیدا کر دی کہ مسئلہ وطن سے بے نیاز ہو کر اپنی ذات کی جستجو میں لگ گئیں اور ۱۹۶۷ء کی شکست نے ان پر یہ اثر ڈالا کہ وہ اپنے انفعالات یادوں اور خیالات کو چھوڑ کر ایسی شاعرہ بن گئیں جو صہیونی تسلط سے اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لئے کوشاں ہو اور اپنے شعروں کے ذریعے آزادی کی جد و جہد کی داستان بیان کرنے لگیں۔ اور اپنی ذات اور داخلی انتقاضات کو بھول گئیں جس کی وجہ سے ان کی شعری آواز میں اصلیت (originality) اور فنی تخلیقیت پیدا ہوئی۔[29]

جون ۱۹۶۷ء کے بعد ان کے جو دو شعری مجموعے "اللیل والفرسان" اور "علی قمة الدنیا وحیداً" شائع ہوئے جو دراصل یہودی تسلط، قومی و وطنی رد عمل اور مزاحمت سے متعلق ہیں۔

اول الذکر شعری مجموعے میں شامل ایک نظم "کلمات من الضفة الغربیة" میں شاعرہ نے مغربی کنارے پر صہیونی تسلط کے نفسیاتی اور معاشرتی احوال وکوائف پر اثرات کی تصویر پیش کی ہے۔ اسی طرح "الطاعون" میں شاعرہ نے صہیونی قبضے کو طاعون کے مساوی قرار دیا ہے۔ "الطوفان والشجرة" میں شاعرہ نے جون کی لڑائی کے بارے میں غیر ملکی دشمن نشریات و اخبارات کی غلط بیانی اور جانبداری کے بارے میں لکھا ہے جس میں غیر ملکی ذرائع ابلاغ نے جون کی شکست کو عربی قوم کی انتہا قرار دیا ہے۔ شاعرہ نے اس صہیونی تسلط کو "طوفان" کے مشابہ قرار دیا ہے جبکہ درخت مقبوضہ زمین پر فلسطینی وجود کی طرف اشارہ کرتے ہیں؛

---

[29] ممدوح السکاف: "رحلة فی عالم فدوی طوقان" "شئون فلسطینیة" (اغسطس ۱۹۷۴ء) ص ۸۸-۹۵۔

"ستقوم الشجرة ÷ ستقوم الشجرة والأغصان
ستنمو في الشمس وتخضر ÷ وستورق ضحكات الشجرة
في وجه الشمس سيأتي الطير ÷ لا بد سيأتي الطير
سيأتي الطير"

"یہ درخت عنقریب بڑھے گا اور اس کی شاخیں سورج کی روشنی میں دوبارہ نمو پاکر ہری بھری ہوں گی۔ جب درخت کو سورج کی روشنی ملے گی تو یہ مسکرائے گا۔ اس کی پتیاں مسکراہٹ سے پھوٹیں گی، ان درختوں اور شاخوں پر چڑیاں آکر بسیرا کریں گی مجھے یقین ہے کہ ایسا ضرور ہوگا"

اللیل و الفرسان میں مقاومت کا ایک نمونہ "قصیدۂ حمزہ" بھی ہے جس میں حمزہ صمود واستقلال کی ایک علامت بن چکا ہے وہ انتہائی صلابت کے ساتھ صہیونی تشدد کا مقابلہ کرتا ہے۔ اور مکانات کے منہدم کئے جانے کے باوجود کہتا ہے:

"یا فلسطین اطمئنی ÷ انا والدار واولادي قرابین خلاصك
نحن من أجلك سخيا و نموت"

"اے فلسطین! میں، گھر اور میرے بچے تم سے چمٹے رہیں گے۔ ہم تمہارے خاطر زندہ رہیں گے اور مریں گے!

حمزہ کی شخصیت کے تعلق سے احسان عباس کی یہ رائے ہے کہ کوئی بھی انسان آج یہ محسوس کرسکتا ہے کہ حمزہ اس سرزمین میں مثبت واقعیت کا ایک نمونہ ہے جو حقیقی قوم کی نمائندگی کرتا ہے۔ اور وہ اس قابل ہے کہ اسے فن کا محور بنایا جائے" [۳۰]

[۳۰] احسان عباس: من الذی سرق النار، ص ۲۶۵ بحوالہ خیری منصور، "الکف والمخرز"

فدوی نے اور بہت سے قصیدوں میں فنی تجربے کئے ہیں اور یہیں تک محدود نہیں رہیں بلکہ مزید ترقی و تبدیلی کی کوشش کی اور فنی ساخت کے اعتبار سے ڈرامائی ہیئت پر قصیدے کہنے لگیں۔ اور اس فن کا استعمال کبھی متحرک گفتگو اور کبھی داخلی خود کلامی اور کبھی اخباری تضمینات اور نثری دستاویزات کے استعمال کے ذریعے کی۔ فدوی اپنی شعری اور شعوری تجربات کی کوشش میں برابر لگی رہیں اپنی فنی شخصیت کو نکھارتی اور ان میں موڑ اور تبدیلیاں پیدا کرتی رہیں۔"

فدوی کا شعری اسلوب نہ تو غموض وابہام لئے ہوئے ہے نہ حد درجہ سادگی وہ اپنی متضاد کیفیات کی وجہ سے مختلف ڈگر پر چلتی رہیں، اور مختلف انداز سے شعر کہتی رہیں۔ ان کے شعر مختلف رنگوں اور آوازوں کے ہیں، کسی ایک رنگ پر قدیم ناقدین کی طرح عمدگی کے احکام صادر کرنا ممکن نہیں ہے۔ ان کے شعری میدان کی تخصیص بھی محال ہے۔ بنت الشاطی کا خیال یہ ہے کہ " فدوی کے شعری میدان کے تعین کی کوشش میں ہم سطح کے توازن (تعادل المستوی) کے سامنے مجبور و متحیر ہو جاتے ہیں اور یہ وہ توازن ہے جو مشرقی شاعرات میں نہیں کے برابر ہے کیونکہ ان کے فکر و ذہن پر مزاج کی حدت اور جذبات کی انتہا پسندی غالب رہتی ہے [۳۱] ان کی شاعری کا مجموعی کلی تاثر بہت گہرا ہے اسی لئے انکی ایک نظم کو پڑھ کر موشے دایان (Moshe Dayan) نے کہا تھا کہ یہ (نظم) بیس کمانڈوز کے برابر ہے۔"

(ختم شد)

[۳۱] د۔ بنت الشاطی، " المجری الشعری للشاعرۃ فدوی طوقان"، مجلۃ "الادیب" القاہرہ (مایو، ۱۹۵۸)